مامون کی سیاست کا تجزیہ
امام رضاؑ اور ان کا طریقۂ کار

پروفیسر علامہ سید علی محمد نقوی صاحب قبلہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ائمہ عترت چونکہ دنیا کے ہر گوشہ اور ہر دور کے لئے نمونہ ہیں۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے انھیں ہر طرح کے حالات سے دوچار رکھا تاکہ ہر حالت میں ان کا کردار، طریقۂ کار اور حکمت عملی آئندہ نسلوں کے لئے ایک نمونۂ جاوید رہے۔ لہٰذا اس تابناک سلسلۂ عصمت کی ہر فرد خاص قسم کے مختلف حالات سے دوچار رہی اور انھوں نے مختلف قسم کے حالات میں حق اور حقیقت کے تحفظ اور ''پیام'' کی تبلیغ کے لئے مخصوص حکمت عملی کا انتخاب کیا۔ ائمہ کی حکمت عملی کا درک کرنے اور اپنے لئے ان سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ہمیں چاہئے کہ دشمن کے حالات، اسلوب اور حکمت عملی کے مقابلے میں اپنے ائمہ کی حکمت عملی کا تجزیہ کریں۔

ائمہ عصمت ؑ کے درمیان جن حالات سے امام رضاؑ دوچار رہے وہ سخت قابل غور ہیں۔ کیونکہ ایک طرف ''مکر'' باطل ہے اور دوسری طرف ''مکاری کا جواب''۔

مامون کی چال

مامون امام رضاؑ کو جو ''اسلامی تحریک'' کے علمبردار ہیں اپنا ولی عہد کیوں نامزد کرتا ہے اور یہ حکم جاری کرتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے زیر نگین تمام قلمرو میں واعظین امام رضاؑ کے نام کا خطبہ پڑھا کریں؟ مامون امام رضاؑ کو کیوں مدینہ سے بلوا کر اپنی جانشینی کی پیش کش کرتا ہے اور کیوں انھیں مجبور کرتا ہے کہ وہ اسے قبول کرلیں؟

پہلا نکتہ جو ہم اس اقدام سے سمجھ سکتے ہیں وہ امامؑ کے اثرات اور ان کے اجتماعی سیاسی کردار کی اہمیت ہے۔ کیونکہ مامون جو دنیا کا ایک صاحب اقتدار بادشاہ تھا۔ جب تک امامؑ کے سیاسی اجتماعی اور جنگی توانائی کے وزن کو سمجھ نہ لیتا امامؑ کے آگے جن کو وہ اپنے نظام کا دشمن سمجھتا تھا ہتھیار نہیں ڈال سکتا تھا۔ ناممکن تھا کہ مامون ایک گوشہ نشین فرد کو جو سیاست سے بے تعلق تنہا مدینہ کی گلی کے ایک گھر کے کسی گوشہ میں یا مسجد نبوی میں وعظ یا روحانی و معنوی فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہو مدینہ سے پایۂ تخت میں بلوائے اور اسے اپنے نظام خلافت کا دشمن گردانتے ہوئے اس کے آگے ہتھیار ڈال دے۔ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ اس عمل سے مامون کی نیت کیا تھی؟

اس زمانے کے سرکاری مورخوں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ مامون کا یہ فعل حق پرستی اور انصاف کا نتیجہ تھا۔ مثلاً طبری لکھتا ہے کہ ''امام رضاؑ کی جانشینی کے اعلان سے مامون کا منشا یہ تھا کہ: اِنَّهُ نَظَرَ فِيْ بَنِي

الْعَبَّاسِ وَبَنِی عَلِی فَلَمْ یَجِدْ اَحَداً هُوَ اَفْضَلُ وَلَا اَوْرَعُ وَلَا اَعْلَمُ مِنْهُ۔ یعنی مامون نے دیکھا کہ بنی عباس اور اولاد علی میں امام رضاؑ سے بڑھ کر متقی اور صاحب علم کوئی نہیں ہے۔ یعقوبی اور ابن اثیر اسی نظریہ کی تکرار کرتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو ابن اثیر، الکامل، ج ا ص ااا، اور یعقوبی، ج ۳ ص ۱۷۶)

اصفہانی بھی یہی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مامون صدق نیت سے عہدۂ خلافت امام رضاؑ کے نام منتقل کرنا چاہتا تھا۔ وہ لکھتے ہیں مامون کے ساتھ امین کی خوں آشام جنگ کے دوران مامون نے عہد کیا تھا کہ اگر وہ فتحیاب ہوجائے گا تو خلافت کو اولادِ علیؑ کی افضل ترین فرد کے نام منتقل کردے گا اور چونکہ امام رضاؑ سب سے افضل تھے اس لئے مامون نے خلافت ان کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی۔

فخری بھی مورّخین کے اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے جو مامون کے اس فیصلہ کو صدق نیت پر محمول کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ لکھتا ہے: اِنَّ الْمَأْمُوْنَ فَکَّرَ فِی حَالِ الْخِلَافَةِ بَعْدَهُ وَاَرَادَ اَنْ یَجْعَلَهَا فِیْ رَجُلٍ یُصْلِحُ بِهَا لِتَبْرَاءِ ذِمَّتِهِ کَذَا زَعَمَ۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ مقاصد کلی اور منافع عمومی کے لحاظ سے مامون میں دیگر خلفا کی بنسبت کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ ہوس کا بندہ تھا صاحب قوت وثروت تھا اور اس کا مقصد خاص کر ذاتی اقتدار کا استحکام تھا، یہاں تک کہ اس معاملہ میں اس نے اپنے بھائی کے قتل سے بھی گریز نہ کیا۔

امام رضاؑ کو اپنا جانشین اور خلیفہ نامزد کرنے میں اس کی دوہری چال تھی، یعنی ایک طرف تو وہ اپنے اقتدار کو محکم بنانا چاہتا تھا دوسری طرف اپنے دشمن اور دوسرے گروہوں کو کمزور کردینا چاہتا تھا۔ مفکرین شیعہ نے ہمیشہ اس امر کو ماننے سے انکار کیا ہے کہ مامون کا یہ فیصلہ صدق نیت پر مبنی تھا اور انھوں نے اس نیت کی نشان دہی کی ہے۔ اس کے اس اقدام کے محرک سیاسی مصالح تھے اور مورخین کا وہ گروہ جو مامون کے اس فیصلہ کو ایک صادقانہ فیصلہ ظاہر کرتا ہے، اس کا مقصد مامون کے چہرہ میں انصاف پسندی اور حق دوستی کی رنگت بھرنا ہے۔ اور ان کی تحقیق کے نتائج مامون کے منصوبے کے عین مطابق ہیں۔ مقاصد کے اعتبار سے مامون اور دیگر خلفا میں کوئی فرق نہ تھا مگر دو باتوں میں وہ اپنے خلفائے سلف سے مختلف تھا۔

اولاً یہ کہ مامون دوسرے تمام خلفاء کے مقابلے میں بہت زیادہ چالاک تھا، اور اس لحاظ سے اسے اگر عباسی معاویہ کہا جائے تو عین مناسب ہے۔ کیونکہ جس طرح معاویہ طاقت پر سیاست کا غلاف چڑھائے رکھتا تھا اسی طرح مامون بھی طاقت کے ساتھ سیاست کو استعمال کرنے کے فن میں ماہر تھا۔ اس کی بہت زیادہ چالاکی کا ثبوت یہ تھا کہ وہ تنہا طاقت کو اقتدار کے استحکام کا وسیلہ نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ حکمت عملی، سیاست اور نئے سیاسی طرز عمل اپنانے کی طرف بھی اس کا رخ تھا۔ وہ اسی قسم کا تھا کہ اس نے اشراف عرب اور عباسیوں کی مخالفت کی پروا نہ کی، قطع نظر اس کے کہ وہ امین کا چھوٹا بھائی تھا اس نے امین کو میدان سے نکال باہر کیا اور خود خلافت پر قبضہ کرلیا۔ دوسری بات یہ تھی کہ مامون دوسرے اموی اور عباسی خلفاء کے مقابلے میں نسبتاً

علمی فکری اور ثقافتی ذوق رکھتا تھا اور اپنا ظاہر ایسا بنائے رکھتا تھا گویا وہ دوستدار علم وفضیلت اور حق وانصاف کا طرف دار ہے۔ صاحب فخری اس کے بارے میں لکھتے ہیں: ''کَانَ الْمَأْمُوْنُ مِنْ اَفَاضِلِ خُلَفَائِهِمْ۔۔۔۔۔۔۔۔وَ کَانَ فَطِنًاً شَدِیْدًاً۔'' یعنی ''مامون دوسرے عباسی خلفا سے زیادہ چالاک تھا۔'' سیوطی کہتے ہیں: ''کَانَ اَفْضَلُ بَنِی الْعَبَّاسِ حَزَماً۔۔۔۔۔۔۔وَعِلْماً وَرَهْباً۔'' مامون کی چالاکی، علم اور سیاست یہ وہ اہم باتیں تھیں جو حکومت میں اس کی قوت اور فریب کی آمیزش کا سبب بنیں۔

مامون کا مقصد

''قدرت'' کی ''اقتدار'' میں اور ''حاکمیت'' کی ''شریعت'' میں تبدیلی

مامون جو دوسرے خلفاء کے مقابلے میں زیادہ چالاک تھا یہ نکتہ سمجھ چکا تھا کہ ''قدرت'' و''اقتدار'' اور ''حکومت'' و''شرع'' میں کیا فرق ہے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر ''حکومت'' عوام کی نظروں میں ''شرع'' سے محروم ہو تو ہمیشہ متزلزل اور خطرات میں گھری رہتی ہے۔

عباسی امویوں کے ساتھ کش مکش کے دوران اپنا تعلق پیغمبرؐ اور خانوادۂ پیغمبرؐ سے ظاہر کرتے ہوئے اپنے ''انقلاب'' کو شرعی ثابت کرنے کے لئے اپنے آپ کو اسی سلسلے کی ایک کڑی ظاہر کرتے تھے اور انھوں نے انتقام خون حسینؑ کے نام پر اپنی تحریک کو آگے بڑھایا۔ یہاں تک کہ انھوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ فتح کی صورت میں وہ کل اقتدار خلافت کے اصل حق داروں یعنی آل محمدؐ کے سپرد کر دیں گے مگر اموی حکومت کے زوال کے بعد عنانِ حکومت خود ہی سنبھال لی اور جنگ کے دوران اپنے لگائے ہوئے نعرے بھول گئے۔ چنانچہ عراق، خراسان اور فارس کے عوام کی نگاہوں میں جو آل محمدؐ اور ائمہ اہلبیتؑ کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے، ان کی شرعی حیثیت نہ رہی اور امویوں کی طرح شمار کئے جانے لگے۔

مامون کی خواہش غالباً یہ تھی کہ امام رضاؑ کی ولی عہدی کا جال پھیلا کر ''قدرت'' کو ''اقتدار'' میں تبدیل کرے اور ''حاکمیت'' کو لوگوں کی نگاہوں میں ''شریعت'' سے ملا دے۔ وہ امام رضاؑ کو اپنے اجتماعی اور سیاسی نظام کی توجیہ کا ذریعہ بنانا چاہتا تھا۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں اپنے نپے تلے عمل اور حکمت کے ذریعہ ''امامت'' نے اس منصوبہ کا نقشہ پلٹ دیا اور ولی عہدی کو توجیہ نظام کا وسیلہ بنانے کے بجائے اسی نظام کو کچل ڈالنے کا ایک اسلحہ بنا لیا۔

دوسرا مقصد

عوام کی نظروں میں حکومت کی شکل میں تبدیلی

اس طرز عمل سے مامون کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ حکومت کے متعلق ظلم وستم اور وحشت وبربریت کا جو عام تاثر تھا وہ بدل جائے۔ امویوں کے دور سے خصوصاً یزید کے زمانے سے حکومت میں ایک عجیب وحشیانہ پن اور درندگی کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی، عباسیوں کے برسر اقتدار آنے کے بعد سفاح، منصور اور ہارون کی خون آشامیاں اور درندگی بھی

کمال کو پہنچی ہوئی تھی اس پر امین و مامون کی خانگی جنگ سونے پر سہاگہ تھی۔

مامون چالاکی کے لحاظ سے تمام سابق خلفاء سے مختلف تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حکومت کے بارے میں اس عام تاثر کو بدل دے۔ اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایک طرف تو اس نے خود کو علم دوست ظاہر کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف خود کو حق وفضیلت کا طرف دار ثابت کرنا چاہا۔ چنانچہ اپنے پہلے مقصد کو پورا کرنے کی خاطر اس نے قدیم علمی مآخذ کی اشاعت، اور حکماء اور فلسفیوں کی کتابوں کے ترجموں، علمی مناظرات اور فلسفیانہ مجالس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور دوسرے مقصد کی تکمیل کے لئے اہلبیتؑ کے فضائل کا اقرار خصوصاً امیر المومنینؑ کے مرتبہ کا اعتراف، سادات کا احترام اور امام رضاؑ کی جانشینی کا اعلان کیا تا کہ اسے حق پسند سمجھا جانے لگے۔ یہ دونوں اقدام مامون کی حکمت عملی کے وہ پہلو ہیں جن کا مقصد شرعی اعتبار سے مقبولیت اور خلافت کی ظاہری صورت میں تبدیلی تھا۔

تیسرا مقصد

ابھرتی ہوئی شیعہ تحریک کو دبا دینا

اس دوران میں شیعیت ایک اجتماعی انقلابی قوت کی صورت میں ابھر آئی تھی اور شیعہ، نظامِ حاکم کے خلاف حزبِ مخالف کی شکل میں اٹھ رہے تھے۔ دنیائے اسلام کے کونے کونے میں بالخصوص خراسان میں انقلاب کا آتش فشاں تیار تھا اور لاوا ابلنے ہی والا تھا۔ مامون امام رضاؑ کی جانشینی کے اعلان سے اس آتش فشاں کو سرد کرنا چاہتا تھا، لاوے کو ابلنے سے روکنا چاہتا تھا، انقلابیوں کے بھڑکتے ہوئے جذبات کو ٹھنڈا کرنا تحریک میں پھوٹ ڈالنا چاہتا تھا اور تحریک کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ مگر امام رضاؑ کی حکمت عملی نے تحریک کو اور زیادہ پھیلا دیا۔

ہاشم معروف ایک شیعہ عربی مصنف اس نکتہ کی طرف متوجہ ہے، وہ لکھتا ہے کہ: ''جب مامون نے دیکھا کہ شیعہ پھیلتے چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ اس کے ارکانِ دولت میں بھی شیعہ ائمہ اور شیعیت کی طرف جھکاؤ پایا جانے لگا ہے تو اس نے اس کا سدِّ باب کرنا چاہا۔ چنانچہ امام رضاؑ کی جانشینی کا اعلان شیعہ تحریک کو معتدل کرنے کی ایک چال تھی، ایک طرف وہ تحریک کی آگ کے سرد ہونے کا منتظر تھا، دوسری طرف انقلابیوں کے رہبر کو پایۂ تخت میں اپنے آدمیوں کی نگرانی میں رکھنا چاہتا تھا۔''

۱۳۲ھ سے یعنی جب سے عباسی برسرِ اقتدار آئے مختلف شیعی انقلابات و قیام کا ایک تسلسل سا قائم ہو گیا یہاں تک کہ بعض وزراء بھی شیعی میلانات رکھتے تھے اور خلافت کو بنی فاطمہ کی طرف منتقل کر دینا چاہتے تھے (ابی سلمہ انحلال نے دورِ ابی عباس سفاح میں اور یعقوب بن داؤد نے المہدی کے دور میں ایسی ہی جد و جہد کی) امین اور مامون کے دور میں بھی بڑی بڑی شیعہ تحریکیں وقوع پذیر ہوئیں۔ محمد بن ابراہیم اور ابی السرایا کے انقلابات یا محمد دیباج بن امام جعفر صادقؑ کا قیام ایسا ہی ہے۔ دراصل شیعہ تحریکیں اور انقلابات مامون کی حکومت کے ابتدائی دنوں

میں اپنے عروج پر تھیں۔ اس دور میں ہر دور سے زیادہ شیعوں کی جدوجہد وسیع اور انقلاب کی شکل اختیار کرگئی تھیں۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ مامون کے یہاں کا حاکم طاہر بن حسن خود شیعی خیالات کا تھا۔

امام رضاؑ کی جانشینی سے مامون یہ چاہتا تھا کہ اس بہانے سے شیعوں کو جنھوں نے ایک حزب مخالف کی شکل میں جنگ کا نقشہ بنا رکھا ہے ان کو مورچوں سے باہر کھینچ کر جنگ کا خاتمہ کردے۔ وہ چاہتا تھا کہ امامؑ کے انقلابی اور جنگی مورچوں پر ضرب کاری لگائے، اور انقلابی شیعوں کو دبادے۔ اس زمانے تک شیعہ برابر ایک مخالف قوت اور جنگجو عناصر سمجھے جاتے تھے جو پہاڑوں اور درّوں میں مورچہ بندی کرتے تھے۔ مامون امام رضاؑ کو جانشینی قبول کرنے پر اس لئے مجبور کررہا تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیعہ مبارزہ پر ایک ضرب لگائے جس نے حکومت سے پل بھر کا سکون بھی چھین لیا تھا۔ مگر امام رضاؑ نے اپنی رہبری کی خداداد استعداد کی بنا پر اس کے منصوبہ کو ناکام بنادیا اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر تحریک کو اور پھیلا دیا حتیٰ کہ مامون امامؑ کو شہید کردینے پر مجبور ہوگیا۔

چوتھا مقصد

امامؑ کی شخصیت کو کمزور کرنا

حکومت کا مقصد امامؑ کے انقلابی رخ پر ضرب لگانا تھا۔ امامؑ کی شخصیت کو کمزور کرنے کے لئے مامون نے دوسرے طریقے بھی آزمائے مثلاً علم کلام کے ماہروں کے ساتھ امامؑ کے مناظرے کرانا تاکہ امامؑ شکست کھا جائیں اور ان کی علمی بلندی مجروح ہوجائے، لیکن ہر مناظرہ میں امامؑ کی شخصیت اور زیادہ آب وتاب کے ساتھ سامنے آئی۔

پانچواں مقصد

داخلی دشمنوں کے خلاف اقتدار کی جنگ میں شیعہ قوت سے استفادہ کرنا

یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ امام رضاؑ کی جانشینی کے اعلان سے مامون ایک تیر سے دو رشکار کرنا چاہتا تھا۔ ایک طرف انقلابی شیعوں کو قابو میں رکھنا اور دوسری طرف اس عظیم قوت کو اپنے مفاد میں استعمال کرنا چاہتا تھا۔ ابھی تک مامون کے اقتدار کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں اور اشراف عرب مامون کے مقابلے میں امین کے طرفدار تھے اور مامون اقتدار کے مرکز کو اشراف عرب کی طرف سے اہل خراسان کی طرف منتقل کردینے کی کوشش میں تھا۔ اہلبیتؑ سے ظاہری رفاقت محض اس خیال سے تھی کہ شاید اس طرح اہل ایران اس کے حامی ہوجائیں۔ امام رضاؑ کی جانشینی کے اعلان سے انقلابی شیعوں کی عظیم قوت کو وہ اپنے مفاد میں استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اور اہل خراسان کی حمایت بھی حاصل کرنا چاہتا تھا جو زیادہ تر شیعی رجحانات رکھتے تھے، تاکہ ان کی رفاقت کے زور پر اپنے داخلی دشمنوں کو شکست دے سکے۔ عرب کے عوام چونکہ امین کے طرفدار تھے اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ فارس اور خراسان کے عوام پر بھروسہ کرے۔

چھٹا مقصد

خراسان کے عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنا

مامون کا ایک اور اصل مقصد امام رضاؑ کی جانشینی کے اعلان سے خراسان والوں کی ہمدردیاں حاصل کرنا تھا، یہاں تک کہ امین کی شکست کے بعد بھی وہ اپنے اقتدار کی حفاظت کے سلسلے میں خراسان والوں ہی پر بھروسہ کرتا تھا۔ اس کی ماں جس کا نام مراجل تھا خود بھی خراسان ہی کی رہنے والی تھی۔ امین اور مامون کی جنگ درحقیقت عرب فارس اور خراسان والوں کی جنگ تھی۔ مامون کا وزیر فضل بن سہل ایرانی تھا اور امین کا وزیر فضل بن ربیع عرب تھا۔ حفظ اقتدار کے لئے مجبوراً مامون زیادہ تر ایرانیوں اور خراسانیوں پر بھروسا کرتا تھا اور چوں کہ اکثر خراسانی شیعی رجحانات رکھتے تھے اس وجہ سے ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے مامون مجبوراً خود کو اہلبیتؑ کا دوست ظاہر کرتا تھا۔

شہادت امام رضاؑ

مامون کے طریقۂ کار کی شکست

امام رضاؑ کی جانشینی کے سلسلہ میں مامون کے اقدام کی توجیہ جو عباسی نمک خوار مورخین کرتے ہیں وہ غلط ہے اس کے برعکس اس کا یہ اقدام قطعی سیاسی اور ریاکارانہ تھا، مگر امامؑ نے خداداد حکمت عملی کے ذریعہ مامون کے نقشہ کو نقش برآب بنادیا۔

امامؑ نے مختلف اسلوب اور اظہار اکراہ کے ذریعہ مامون کو اس کی مقصد برآری میں کامیاب نہ ہونے دیا بلکہ جانشینی کے اعلان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کے سچے پیغام شیعیت کی تبلیغ حکومت اور موجودہ نظام کو مذموم ثابت کرنے کا کام کیا۔ امامؑ کے اسی عظیم کارنامے نے مامون اور حکومت کو اس درجہ خوفزدہ کردیا کہ بالآخر گھبراہٹ کے عالم میں مامون نے انھیں زہر دلوا کر شہید کروادیا۔

امام رضاؑ کی شہادت اس بات پر دال ہے کہ ان کی حکمت عملی کے مقابلے میں مامون کی حکمت عملی مات کھا گئی۔ خلیفہ نے امامؑ کو زہر دے کر اپنی کمزوری اور بے چارگی کا اعتراف کیا ہے۔ مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔

امام رضاؑ کی حکمت عملی

مامون اور اس کی خلافت کے طریقۂ کار کے مقابلے میں امامؑ کی حکمت عملی کیا تھی؟ امام رضاؑ کی حکمت عملی بالکل نئی، بے حد حساس اور بہت زیادہ قابل غور ہے کیوں کہ اس سے پہلے شیعہ ائمہ مبارزہ کو بڑھانے کی غرض سے ہمیشہ دارالخلافہ سے دور رہتے تھے مگر امام رضاؑ نے مجبوراً ولی عہدی قبول کی اور دارالخلافہ میں رہ کر مبارزہ کو آگے بڑھایا۔

امام رضاؑ کی حکمت عملی بے حد حساس ہے۔ کیوں کہ انقلاب کے مواقع حاصل کرنے کے لئے دارالخلافہ سے دور رہنا ولی عہدی قبول کرلینے سے زیادہ آسان تھا، لیکن امام رضاؑ نے تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے ولی عہدی کو ذریعہ اور وسیلہ کے طور پر استعمال کیا۔

یہ حکمت عملی بے حد قابل توجہ ہے کیوں کہ حق و باطل کی کش مکش میں مختلف طریقہ کار استعمال ہوا کرتے ہیں۔ کبھی امام حسنؑ کی طرح صلح جوئی سے کام لیا گیا، کبھی امام حسینؑ کی طرح نبرد آزمائی کی گئی، کبھی حضرت زینبؑ کی طرح خطابت سے کام لیا گیا، کبھی سید سجادؑ کی طرح دعاؤں کو بطور اسلحہ استعمال کیا گیا، کبھی امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کی طرح معارف ونظریات اسلام کو منتشر کیا گیا کبھی امام موسیٰ کاظمؑ کی طرح صعوبت قید برداشت کی گئی اور کبھی مسند خلافت پر جلوہ فرما ہو کر تحریک کے سچے رہبروں کی مدد کی گئی۔

امام رضاؑ کی حکمت عملی اس وجہ سے بھی بے حد قابل غور ہے کہ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک رہبر الٰہی کس طرح بدترین حالات میں اپنی خواہش کے خلاف جبریہ ولی عہدی قبول کر کے بوجوہ احسن اس ولی عہدی سے تحریک کے لئے فائدہ حاصل کرتا ہے۔

امام رضاؑ نے اس قسم کی حکمت عملی کا انتخاب کیوں کیا؟ اسے جاننے کے لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اس زمانے کے اسلامی معاشرے پر نظر ڈالیں پیغمبر اسلامؐ کے بعد ''کیفیت''، ''کمیت'' پر قربان ہو چکی تھی۔ اسلام تیزی کے ساتھ ایشیا، افریقہ اور یوروپ میں پھیلا تھا۔ لاکھوں لاکھ افراد مسلمان ہو گئے تھے مگر ان میں زیادتی ایسے افراد کی تھی جو نام کے لئے تو مسلمان ضرور ہو گئے تھے مگر رسموں کے لحاظ سے ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ دور جاہلیت ہی کے عقائد اور تہذیب کے پابند تھے۔ اگر کسی حد تک اسلام سے آشنا بھی تھے تو یہ وہ اسلام تھا جو انھیں دربار خلافت سے ملا تھا۔ حجاز، کوفہ، بصرہ اور یمن کے لوگ کسی حد تک اسلام سے واقفیت رکھتے تھے اسی وجہ سے شیعی تحریکوں کی ابتدا ان ہی علاقوں سے ہوئی تھی۔ مگر ترکستان، ماوراء النہر، روم، افریقہ، یورپ (اندلس) اور سندھ وغیرہ کے عوام اسلام کی صحیح تعلیمات، ائمہ کی منزلت اور شیعی تحریک سے تقریباً بے بہرہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر خلفائے عباسیہ نے شیعہ تحریک کو تاتاریوں، ترکوں اور رومیوں کی مدد سے کچلا ہے۔

نسبتاً منصف اور مومن دانشمند جو قلب دنیائے اسلام (حجاز، بغداد، دمشق) کے رہنے والے تھے حکومت کے مخالف تھے، اور ائمہ اہلبیتؑ کے حامی تھے (یہاں تک کہ ائمہ اہلسنت یعنی ابو حنیفہ، شافعی اور مالک نے بھی حکومت کے کارندوں کے ہاتھوں دُرّے کھائے اور قید کی سختیاں جھیلیں) اور حکومت نے بعض درباری علماء پال رکھے تھے جن کا کام موجودہ نظام کی کاذب توجیہ پیش کرنا تھا جو اسلام ترکستان اور تفقاز کے لوگوں تک پہنچا تھا وہ فیلتوریوں کے ذریعہ پہنچا تھا۔

واقف کار علماء تو ائمہ کو روحانی اور حقیقی پیشوا کی حیثیت سے نیز حکومت کو غیر شرعی سمجھتے تھے لیکن ناواقف اور دور دراز علاقوں میں بسنے والے افراد حکومت کی قدغن اور غلط پروپیگنڈہ کی وجہ سے ائمہ کی معرفت سے آگاہ نہ تھے۔ صرف حجاز، مدینہ اور کچھ عراق وایران کے محدود علاقوں میں پیغمبرؐ اور اہلبیتؑ کی یاد دلوں میں باقی رہ گئی تھی۔ علماء کے درمیان امام محمد باقرؑ اور امام صادقؑ کا ذکر نمایاں طور پر ہوتا

تھا۔ بقیہ عوام یعنی بلخ سے لے کر اندلس تک کے رہنے والے حکومت کی افواہوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اس حقیقت سے لاعلم تھے کہ رسولؐ کے گھرانے پر کیا گذر رہی ہے۔ خصوصاً امام موسیٰ کاظمؑ کے زمانے میں جو خلیفہ کی قید میں تھے، رسولؐ کے گھرانے اور عوام کے درمیان رابطہ بہت دشوار ہو گیا تھا۔

ان ہی حالات میں امام رضاؑ نے امامت کی ذمہ داریاں سنبھالیں اسی وقت مامون نے انھیں ولی عہدی کی پیش کش کی اور انھیں اسے قبول کرنے پر مجبور کیا۔ ایسی حالت میں اگر حکومت کے جبر و تشدد کے باوجود امامؑ یہ تہیہ کر لیتے کہ وہ اس پیش کش کو ٹھکرا دیں گے تو زیادہ سے زیادہ نوبت ان کی شہادت تک پہنچتی جو علیؑ اور حسینؑ کے وارثوں کے لئے افتخار کی بات تھی اس کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا، تاہم بادل ناخواستہ اس پیش کش کو منظور کر لیا تا کہ اسی ذریعہ سے اماموں کے نام اور شیعیت کا پیغام جہان اسلام کے گوشے گوشے میں پہنچا دیں۔ امامؑ چاہتے تھے کہ حکومت کی ضرورت کو ''برج فریاد'' کے طور پر تشیع کی نقابت کا ذریعہ بنا لیں اور اسی مقام سے شیعیت کی آواز دنیا کے کانوں تک پہنچا دیں۔

امام حسینؑ نے اپنے خون، حضرت زینبؑ نے اپنی خطابت اور سید سجادؑ نے اپنی دعاؤں سے شیعی تحریک کو اس حد تک محکم بنا دیا تھا کہ اب اس کے وجود کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا اور امام محمد باقرؑ اور امام جعفرؑ صادق نے شیعی معارف کو مکتب کی شکل میں مدوّن کر دیا تھا اس وجہ سے ولی عہدی کی پیش کش کو قبول کر لینے سے شیعی مسلک کی غلط نمائندگی کا کوئی احتمال باقی نہ تھا چنانچہ امام رضاؑ نے اپنے اس عمل کے ذریعہ اس تحریک کی وسعت کی کوششیں شروع کر دیں۔

امام رضاؑ کی ولی عہدی کی بناء پر پہلی بار عالم اسلام کے تمام مساجد میں ایک رہبر الٰہی اور امام اہلبیتؑ کا پیغام خطبہ میں شامل ہوا اور پہلی مرتبہ دنیائے اسلام کے رہنے والوں کو اس حقیقت کا علم ہوا کہ پیغمبرؐ کے خاندان کی ممتاز ہستیاں ابھی موجود ہیں اور اس درجہ فضیلت کی مالک ہیں کہ خلیفہ تک انھیں رہبری عالم اسلام کی لئے لائق ترین فرمان لینے پر مجبور ہے۔ امام رضاؑ نے شیعیت کو حکومت کے مقابلے میں ایک عظیم سیاسی قوت کی شکل بخشی۔ امام رضاؑ کے لئے ولی عہدی دنیا کے کانوں تک ان کا پیغام اور حق کی آواز پہنچانے کا ایک ذریعہ تھی۔

مامون نے خود کو امامؑ کا طرفدار ظاہر کرنے کے لئے احکامات جاری کر دیئے کہ تمام مملکت اسلامی کی مساجد میں جمعہ کے خطبہ میں امامؑ کا نام شامل کیا جائے، یہی نہیں بلکہ اس نے حکومت کا قومی رنگ سیاہ کے بجائے سبز قرار دے دیا۔ کیوں کہ سیاہ رنگ بنی عباس کا قومی نشان تھا اور سبز رنگ بنی فاطمہ کا۔ جھشیاوی لکھتا ہے: ''وَكَانَ الْمَأْمُوْنُ قَدْ جَدَّ فِي تَجْدِيْدِ الْعَهْدِ لِعَلِي الرِضَاعليه السلام وَنَقُوْمُ اِلَى الْفَضْلِ بِاَخَذِ الْبَيْعَةِ عَلَى النَّاسِ وَالْكِتَابَةِ اِلَى الْاِقْلِيْمِ فِي اِبْطَالِ السَّوَادِ وَكَتَبَ الْفَضْلُ اِلَى اَخِيْهِ الْحَسَنِ تَعْلِيْمِهٖ بِذٰلِكَ وَيَأْمُرُهٗ بِتَرْكِ السَّوَادِ وَاِنْ يَلْبَسُ الْخَضْرَةِ وَيَجْعَلُ الْاَعْلَامُ وَالْقَلَانِسُ الْخَضْرَائَ وَيُطَالِبُ النَّاسُ بِذٰلِكَ وَكَاتَبَ فِيْهِ جَمِيْعِ عُمَّالِهٖ۔''

اس طرح امامؑ کے نام اور شیعی تحریک کے پیغام کی توسیع ہوئی۔ جس ہتھیار کو مامون نے امامؑ کے خلاف اور شیعی تحریک کو بیکار کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہا تھا امامؑ نے اسی ہتھیار کے ذریعہ خلافت اور حکومت کو بیکار کردیا اور مجبوری کے جو حالات پیدا ہوگئے تھے ان ہی حالات سے امامؑ نے شیعی تحریک کے مفاد میں استفادہ کیا۔

امام رضاؑ کی حکمت عملی یہ تھی کہ ایک طرف تو ولی عہدی قبول کر کے یہ ظاہر کردیا کہ خلافت کو وہ اپنا حق سمجھتے ہیں، اور دوسری طرف بار بار مختلف طریقوں سے اس بات کو ظاہر کیا کہ مامون اور اس کی حکومت کے مخالف ہیں اور وہ ولی عہدی کو مجبوراً قبول کررہے ہیں۔ امام رضاؑ اسی قسم کے حالات سے گذر رہے تھے جن سے تیسرے خلیفہ کے قتل کے بعد حضرت علیؑ گذرے تھے۔ حضرت علیؑ نے بھی خلافت قبول کرلی تھی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اگر علیؑ خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے تو انھوں نے خلافت قبول کیوں نہ کی؟ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر کردیا کہ وہ مجبوراً خلافت قبول کررہے ہیں۔

امام رضاؑ جانتے تھے کہ ان کا ولی عہد بننا مامون کی توقعات کے خلاف ثابت ہوگا اور ان کی ولی عہدی سے شیعی تحریک ختم نہیں ہوگی کیوں کہ شیعہ وہ مومن ہیں جو امامؑ کی عصمت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان کا ولی عہدی قبول کرنا خلافت کی طمع میں نہیں ہے بلکہ نظام خلافت کو باطل قرار دینا ہے۔ امام رضاؑ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ وہ مامون کو یہاں تک ہراساں کردیں گے کہ وہ انھیں شہید کروا دے اس طرح ولی عہدی کا قبول کرنا حکومت اور شیعوں کے درمیان خصومت بڑھانے کا سبب ہوجائے گا نہ کہ کم کرنے کا۔

امام رضاؑ نے اپنی حکمت عملی سے مامون کی حکمت عملی کو شکست دے دی اور ولی عہدی کو ایک ایسا منبر بنایا جہاں سے وہ شیعی احتجاج کو عالم اسلام کے گوشے گوشے تک پہنچا سکیں۔

ہم امام رضاؑ کی غیر معمولی حکمت عملی کو اس ردّ عمل سے سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے بعد مملکت اسلامی کے طول وعرض میں مختلف شیعہ انقلابی تحریکیں سر ابھارنے لگیں اور حکومت اس قدر ہراساں ہوگئی کہ بعد کے ائمہ کو ہمیشہ یا تو قید میں رکھا گیا یا کڑی نگرانی میں اور متوکل جیسے لوگوں نے دجلہ وفرات کو بے شمار شیعوں کے خون سے رنگین کردیا۔

جس طرح امام حسینؑ کی حکمت عملی نے منافقت کے کریہہ چہرہ سے اسلام کا نقلی نقاب نوچ کر پھینک دیا تھا اور معاویہ کو مجبور کردیا تھا کہ وہ یزید کی صورت میں اپنی اصلیت ظاہر کردے اسی طرح امام رضاؑ نے بھی منافق حکومت کے چہرے سے اسلام دوستی کا نقاب نوچ پھینکا تھا اور مامون کو متوکل کے روپ میں اپنا اصلی چہرہ دکھانے پر مجبور کردیا تھا کیوں کہ حق اور حق پرستوں کے لئے ''معاویہ'' اور ''مامون'' کا مرحلہ ہمیشہ ''یزید'' اور ''متوکل'' کے مرحلہ سے کم خطرناک نہیں ہوتا ہے۔

